رجسٹرڈ نمبر آصفیہ (۱۸۰)

ہفتہ وار

مملکت

شرح چندہ
سالانہ ... روپے
ششماہی ... روپے

ایڈیٹر: میر حسن الدین
مینجنگ ایڈیٹر: سید عابد حسین

قیمت پرانا پرچہ (۴؍)

قیمت فی پرچہ (۲؍)

رجسٹرڈ نمبر آصفیہ (۱۸۰)

شرح چندہ
سالانہ ... روپے
ششماہی ... روپے

جلد (۹) | ۲۹ تیر سنہ ۱۳۵۸ف | ۳۰ رجب سنہ ۱۳۶۸ھ | ۲۹ مئی سنہ ۱۹۴۹ء روز یکشنبہ | نمبر (۷)

ادارۂ اقوام متحدہ میں

نسلی امتیاز کے خاتمہ کا مطالبہ

ہندوستان نے ۹ مئی کو ادارۂ اقوام متحدہ میں کہا کہ وہ جنوبی افریقہ میں ہندوستانیوں کے ساتھ سلوک کے متعلق جو تحقیقات مناسب سمجھے کرے۔

ہندوستان نے یہ مطالبہ بھی کیا ہے کہ جنوبی افریقہ سے نسلی امتیازات ختم کرنے کو کہا جائے۔ جنوبی افریقہ کے ہندوستانیوں کے متعلق موٹی موٹی باتیں بیان کرنے کے بعد مسٹر ایم۔ سی۔ سیتل واد نے متحدہ اقوام کی سیاسی کمیٹی میں کہا۔ کہ جنوبی افریقہ کے ہندوستانی اسی ملک کے باشندے ہیں۔ پھر بھی ان کے ساتھ برا برتاؤ کیا جا رہا ہے ان کے ساتھ انتہائی ذلت آمیز امتیازی برتاؤ کیا جاتا ہے۔ صرف اس وجہ سے کہ یہ ایک دوسری نسل کے افراد ہیں اور ان کا رنگ گورا نہیں ہے۔

انھوں نے اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "انھیں ہر طرح کی ذلت برداشت کرنا پڑتی ہے اور کسی قسم کی بنیادی آزادی میسر نہیں اور نہ کوئی انسانی حقوق ہی حاصل ہیں۔ یہ طریقہ کار ایک عرصہ سے جاری ہے کبھی اس کی رفتار سست پڑ جاتی ہے اور کبھی تیز۔ اس وقت جنوبی افریقہ کے ہندوستانی بے بس ہیں۔ بے آواز ہیں۔ اور ایک ایسی اقلیت ہیں جنھیں ووٹ دینے تک کا حق نہیں۔ ایک شہری کی حیثیت سے جان و مال کی حفاظت کا مطالبہ ان کا جائز حق ہے لیکن انھیں یہ حق بھی نصیب نہیں۔ انھیں نسلی امتیازات کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھایا جا رہا ہے۔ جنوبی افریقہ میں یہ حالت صرف ہندوستانیوں ہی کی نہیں تمام ایشیائی باشندوں کی ہے، وہاں کے قدیم باشندوں کے ساتھ بھی یہی برتاؤ کیا جاتا ہے۔

راس امید کے صوبے کے علاوہ یونین کے کسی دوسرے حصہ میں ہندوستانیوں کو پارلیمانی یا میونسپل انتخاب میں حصہ لینے اور ووٹ دینے کا حق حاصل نہیں۔ ملک کے متمول اور خوش حال حصوں میں انھیں جائداد رکھنے کی اجازت نہیں۔ سرکاری ملازمت کے دروازے ان پر بند ہیں۔ وہ یونیورسٹیوں اور درس گاہوں میں داخل نہیں ہو سکتے کہ یہ یورپینوں کے لیے مخصوص ہیں۔ محض نسلی اور لونی فرق کے باعث انھیں ایک صوبے سے دوسرے صوبے میں آزادانہ گھومنے پھرنے کی اجازت نہیں۔

مسٹر سیتل واد نے کہا۔ ہندوستانیوں کو سیاسی اور معاشی طور پر اچھوت بنا دیا گیا ہے ان کی مصیبتوں کا حد و حساب نہیں۔ ان کے ساتھ سخت سماجی امتیاز روا رکھا جاتا ہے۔ یورپیوں سے برابری کی بنیاد پر انھیں ریستوران، ہوٹل، تھیٹر، سینما، پارک، ریل گاڑیوں اور بسوں میں داخل کی اجازت نہیں غرضیکہ زندگی کے ہر شعبہ میں وہ ذلت اور شرمندگی محسوس کرتا ہے مہد سے لحد تک نسلی امتیازات اس کا پیچھا نہیں چھوڑتے۔

ایشیائی نظام آراضی اور ہندوستانیوں کی نمائندگی کے قانون ۱۹۴۶ء میں انھیں انتہائی تحقیر کا سامنا کرنا پڑا۔ انھوں نے کہا ۱۹۴۸ء کے موسم بہار میں جنوبی افریقہ میں نئی حکومت برسر اقتدار آئی جس کی قومی پالیسی کی تمام تر بنیاد یورپیوں کی برتری پر ہے۔ یہ نسلی امتیاز اور ظلم کی حامی ہے اس کی مثال دنیا میں ڈھونڈے نہیں ملتی۔

مسٹر سیتل واد نے کہا یہ اس اصول پر کار بند ہے کہ جنوبی افریقہ کی مختلف نسلوں کے درمیان زندگی کے ہر شعبہ میں امتیازی سلوک رکھا جائے۔ اور انھیں ایک دوسرے سے الگ رکھا جائے اس کا مقصد یہ ہے کہ تمام سیاسی اختیارات صرف یورپی اقوام کے ہاتھوں میں رہیں اور دوسری غیر یورپی قوموں کو حکومت میں کوئی حصہ نہ دیا جائے۔ اس نئی حکومت نے برسر اقتدار آتے ہی ہندوستانیوں کی نمائندگی اور ایشیائی نظام آراضی کے قوانین میں تبدیلی کر دی۔ ان قوانین کے تحت ہندوستانیوں کو جو محدود اختیارات حاصل تھے وہ بھی جاتے رہے۔ صرف راس امید کا صوبہ ہی ایک ایسا صوبہ ہے جہاں ایشیا کے باشندوں کو جائداد اور آراضی رکھنے کا حق حاصل ہے۔ یہ علاقہ نسبتاً آزاد خیال ہے۔ لیکن یہاں بھی ریل میں ہندوستانی یورپینوں کے ساتھ سفر نہیں کر سکتے ڈبے الگ الگ ہیں۔

مسٹر سیتل واد نے اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا۔ یونین کے وزیر محنت نے اعلان کیا ہے کہ ملک کے قدیم باشندوں کو صنعتی تعلیم اور تربیت دینے کی جو پالیسی پچھلی حکومت نے بنائی تھی وہ ختم کر دی گئی ہے۔ ان کی ٹریڈ یونینوں کو بھی تسلیم نہ کیا جائے گا۔ بے روزگاروں کے لیے جو قانون تھا وہ اب غیر یورپی اقوام پر عائد نہ ہوگا۔ کھانے کا جو بھتہ ہندوستانیوں کو دیا جاتا تھا وہ بھی بند کر دیا گیا ہے۔ حکومت نے ہندوستانیوں کو یورپ اور امریکہ سفر کرنے کے لیے پاسپورٹ نہیں دیا کیونکہ اسے ڈر تھا کہ یہ لوگ ان ملکوں میں جا کر اس کی نسلی امتیاز کی پالیسی کا بھانڈا پھوڑ دیں گے۔ اور اسے بدنام کریں گے۔

ہندوستانیوں کے خلاف اخبارات میں، جلسوں میں، پارلیمنٹ میں، غرض ہر جگہ پروپگنڈا ہوتا رہتا ہے۔

(باقی صفحہ [illegible])

ہفتہ وار

مملکت

۲۹ تیر ۱۳۵۸ ف

سردار پٹیل کا انتباہ

اندور میں تقریر کرتے ہوئے ہندوستان کے نائب وزیر اعظم سردار پٹیل نے ریاستی یونینوں کے کانگریسی سیاست دانوں اور لیڈروں کو تنبیہ کی کہ :

> اگر وہ عمومی جھگڑوں اور عہدوں کے لئے لڑائیوں کو ختم نہ کردیں اور ملک کی حقیقی خدمت گزاری کے لئے تیار نہ ہو جائیں تو وزارتوں کو برخاست کردیا جائے گا اور ریاستی یونینوں کے انتظامات مرکز کی تحویل میں لے لئے جائیں گے۔ لوگ کانگریس سے وابستگی کو حصول اقتدار کا ذریعہ سمجھ رہے ہیں اور اقتدار کے پیچھے دوڑ رہے ہیں

سردار پٹیل نے اس تقریر میں یہ بھی فرمایا کہ مدھیہ بھارت یونین' وندھیا پردیش اور راجستان میں کانگریسی لیڈروں کی باہمی رقابت سے انھیں کس طرح دکھ اور مایوسی ہوئی۔ سردار پٹیل نے کہا کہ اگر ریاستوں کے کانگریسی وزراء جماعتی سیاسیات میں الجھ جائیں تو اس کا علاج صرف یہ ہے کہ ریاستوں کا نظم ونسق مرکز کی تحویل میں دے دیا جائے اور ہر ریاست میں ایک اڈمنسٹریٹر مقرر کردیا جائے۔

سردار پٹیل کی یہ دھمکی خالی خولی دھمکی نہیں۔ موجودہ دستور کے تحت اور موجودہ حالات میں وہ بہت آسانی سے ریاستوں کی عوامی وزارتوں کو ہٹا کر مرکزی حکومت کے اڈمنسٹریٹر مقرر کرسکتے ہیں۔ بعض مبصرین کا خیال ہے کہ اگر ایسا اقدام کیا گیا تو ریاستوں کی عامۃ الناس اس کا خیر مقدم کرے گی کیونکہ ریاستوں میں حالات ناگفتہ بہ ہو گئے ہیں۔ البتہ ایسے لیڈروں کو ضرور مایوسی ہوگی جو وزارتوں کے خواہش مند ہیں۔ بعض اخباری تبصروں سے پتہ چلا ہے کہ سردار پٹیل کے ایسے عمل پر ریاستی رعایا کی جانب سے کوئی احتجاج نہیں کیا جائے گا۔

جن بدعنوانیوں اور خرابیوں کا تذکرہ سردار پٹیل نے کیا ہے وہ ریاستوں تک محدود نہیں ہیں۔ ایسی بدعنوانیاں کم و بیش اکثر صوبوں میں پائی جاتی ہیں۔ صوبوں میں جو خرابیاں موجود ہیں ان پر پردہ ڈالا جارہا ہے ورنہ منظر عام پر نہیں آرہی ہیں۔ لیکن اس کے باوجود لیڈروں کی باہمی رقابتیں اور اقتدار کی کشمکش سے زیادہ تیز ہوتی جارہی ہے۔ مشرقی پنجاب کا وزارتی مناقشہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ کس طرح یہ لیڈر اقتداری سیاسیات میں الجھ گئے ہیں۔ سچر گروپ اور بھارگو گروپ کسی اصول یا پالیسی پر مبنی نہیں ہے۔ یہ سب شخصی رقابتوں اور اقتدار کی کشمکش کا نتیجہ ہے۔ مشرقی پنجاب میں مرکزی حکومت نے پارلیمانی بورڈ کے ذریعہ مداخلت کی اور وزیر اعظم کو تشکیل وزارت سے متعلق مرکز سے ہدایت دی گئی۔ اگر جھگڑا باقی رہا تو وزارت کی تحلیل ہو جائے گی اور مرکز کی راست رہنمائی میں نظم ونسق گورنر اپنے ہاتھ میں لے لے گا۔

مدراس کا وزارتی مناقشہ مرکز کی مداخلت کے بغیر طے پاگیا۔ مگر یہ تصفیہ دیرپا نظر نہیں آتا۔ مدراس کے بعض وزراء کس طرح اپنے عہدے سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں اس کی ایک مثال اس اطلاع سے ملتی ہے جو مدراس کے ایک اخبار سوتنترا نے شائع کی ہے۔ اس اخبار نے لکھا ہے کہ کرنول کی سدرشن آئیل مل کو حکومت مدراس کی جانب سے دس لاکھ کا قرضہ منظور کیا گیا۔ اس اخبار کا بیان ہے کہ سدرشن مل مدراس کے ایک وزیر کی بہن اور بھانجی کی ملک ہے۔ وزیر موصوف اپنے عہدے پر آنے سے پہلے اس مل کے ڈائرکٹر تھے مگر وزارت قبول کرنے کے بعد اپنے حصص اپنی بیوی کے نام منتقل کردئے۔ اس مل کے موجودہ ڈائرکٹر وزیر موصوف کے اکثر قریبی رشتہ دار ہیں۔ اس قسم کے واقعات سے مدراس میں ایک بے چینی موجود ہے جو ممکن ہے بہت جلد منظر عام پر آجائے۔ اگر یہ صورت حال پیدا ہو گئی تو مرکز کی مداخلت ناگزیر ہو جائے گی۔ ایسے ہی حالات دوسرے صوبوں میں بھی پائے جاتے ہیں۔ بہار اور بنگال بھی اس سے مستثنیٰ نہیں۔ اقربا نوازی اور بدنظمی کے الزامات آئے دن لگائے جا رہے ہیں۔ کانگریسی وزراء کا وقار گرتا جا رہا ہے۔ تین سال کے دوران میں ان وزراء نے اپنی کارگزاری کا جو ریکارڈ پیش کیا ہے وہ کچھ زیادہ قابل تحسین نہیں۔ ان وزراء نے عوام کے اہم مسائل پر توجہ نہیں کی۔ عوام کا افلاس گھٹنے کے بجائے بڑھتا گیا۔ ان حالات میں سردار پٹیل نے جو تنبیہ کی ہے اس کو ریاستوں اور صوبوں کے ملک کارکنوں کے لئے سنجیدہ غور و فکر کا موضوع بننا چاہئے۔

دیہی رعایا کی آسائش

مقامی اخبارات نے حکومت کو توجہ دلائی ہے کہ نلگنڈہ، ورنگل' اور کریم نگر میں جو خلفشار پیدا ہو گیا ہے اور کمیونسٹ خطرہ جو بڑھتا جارہا ہے اس کا مقابلہ کرنے کے لئے صرف گرفتاریوں سے کام نہیں چلے گا بلکہ دیہی رعایا کی آسائش کے لئے حکومت کو کوئی عملی اقدام کرنا ہوگا۔ معلوم ہوتا ہے کہ حکومت اس مسئلہ پر متوجہ ہے اور یہ طے کیا ہے کہ کریم نگر کے بارہ مواضعات کو نمونے کے مواضعات بنایا جائے۔ اس سلسلہ میں جو اسکیم مرتب کی گئی ہے اس کا افتتاح کرتے ہوئے نواب زین یار جنگ بہادر رکن فوجی حکومت نے جگتیال میں ایک تقریر کی اور یہ فرمایا کہ :

> آپ لوگوں سے بہت سے وعدے کئے گئے لیکن وہ اب تک پورے نہیں ہوسکے۔ آج کمیونسٹ بھی آپ لوگوں کو ایک خوشگوار مستقبل کا خواب دکھا رہے ہیں اور بڑے ہی دلفریب وعدے کر رہے ہیں لیکن میں آج فوجی حکومت کے ایک نمائندہ کی حیثیت سے ایک ایسے منصوبے کا افتتاح کرنے آیا ہوں جو آپ لوگوں کی ترقی اور خوشحالی کا باعث

ہوگا...... . قومی حکومت نے یہ تصفیہ کیا ہے کہ
آپ کے ضلع میں چند مواضعات کو ایک گروہ کی شکل میں
منتخب کرے اور انہیں ترقی دے کر نمونے کے مواضعات
بنائے اور اس طرح کاشتکاروں کی حالت کو سدھارے۔

اس تقریر میں نواب زین یار جنگ بہادر نے ان مواضعات کے کاشتکاروں اور زرعی مزدوروں کی معاشی حالت اور ان قرضوں اور شرح سود کا ذکر کرتے ہوئے اس اسکیم کی تفصیلات پر روشنی ڈالی ہے اور بتایا ہے کہ اس اسکیم کا مقصد زیادہ غلہ پیدا کرنے کے لیے زیادہ رقبہ کو اور افتادہ زمینات کو زیر کاشت لانا، زراعت کے پرانے طریقوں کے بجائے کاشتکاروں کو جدید طریقوں کی طرف مائل کرنا ہے۔ زراعت کو ترقی دینے کے لیے تالاب اور کنٹوں کی مرمت پر چار لاکھ پچاس ہزار کی رقم صرف کی جائے گی۔ پینے کے پانی کی قلت رفع کرنے کے لیے باؤلیاں کھدوانے کا انتظام کیا جائے گا۔ امداد باہمی کی انجمنوں کا ایک جال سا بچھا دیا جائے گا۔ طبی امداد کا انتظام ہوگا۔ پیداوار کی نکاسی اور فروخت کی سہولتیں فراہم کی جائیں گی۔

اس میں شک نہیں کہ اس اسکیم سے دیہی رعایا کو بڑی حد تک فائدہ پہنچے گا۔ ہم نواب زین یار جنگ بہادر کے اس اقدام کو مستحسن سمجھتے ہیں اور ہمارا خیال ہے کہ اصل مسئلہ کی طرف یہ پہلا قدم ہے گو بنیادی مسئلہ اس سے حل نہیں ہوتا۔ پنڈت نہرو نے [illegible] میدان میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ بہت جلد حکومت زرعی اصلاح کی طرف رجوع ہوگی۔ زرعی اصلاح کے لیے اس کی ضرورت ہے کہ بڑے بڑے رقبوں میں حد فاصل [illegible] حاصل کرلی جائیں اور ایسی زمینات کو زرعی مزدوروں اور غریب عوام میں تقسیم کر دیا جائے۔ ہم نے اس سے قبل بتایا تھا کہ کمیونسٹ خطرہ کا کامیابی سے مقابلہ کرنے کے لیے ضروری ہے کہ قابل کاشت اراضی کو ان مزارعین میں تقسیم کر دیا جائے جو سرمایہ داروں کی چیرہ دستیوں کی بدولت اپنی زمین سے محروم ہوگئے ہیں۔ حصول اراضی کے طریقوں پر ہم نے تفصیلی بحث کی تھی جس کا اعادہ ہم یہاں غیر ضروری سمجھتے ہیں۔ تاہم حکومت کی توجہ ہم اس جانب پھر ایک بار مبذول کرانا چاہتے ہیں۔

ڈاکٹر لطیف کو مشورہ

(ایک ناظر کے قلم سے)

ڈاکٹر لطیف انگریزی ادب کے پروفیسر کی حیثیت سے مشہور رہے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کا علمی مشاغل سے ہٹ کر سیاسی مسائل میں دلچسپی لینا ایک ناخوشگوار واقعہ ہے۔ راقم الحروف ڈاکٹر صاحب کے ان نیاز مندوں میں سے ہے جنھوں نے بہت نزدیک سے آپ کا مطالعہ کیا ہے۔ یہاں میں اسباب سے بحث کرنا نہیں چاہتا جن کی بنا پر ڈاکٹر صاحب نے سیاسی میدان میں قدم رکھا۔ سیاسی محفل کی پہلی نشست میں آپ نے جو طبع آزمائی کی وہ ایک اسکیم کی صورت میں ظاہر ہوئی جو تہذیبی منطقوں کی اسکیم کے نام سے موسوم ہے۔ اس اسکیم کے حسن و قبح سے یہاں بحث نہیں۔ مختصر یہ کہ اس اسکیم کو نہ تو لیگ نے قبول کیا اور نہ کانگریس نے۔ یہ بات اب راز نہیں رہی کہ ڈاکٹر لطیف نے قائد اعظم جناح کا کیوں تعاقب کیا تھا۔ لوگ اس سے بھی واقف ہیں کہ تقسیم ہند کے بعد ڈاکٹر صاحب نے پاکستان کی تائید شروع کردی گو وہ پہلے اس کے خلاف تھے۔

حیدرآباد کے سیاسی مسائل کو ڈاکٹر صاحب ہمیشہ حقیر سمجھتے رہے مگر کبھی کبھی یہاں کے سیاسی لیڈروں کو اپنی تنقید کا نشانہ بھی بنایا۔ مسلم عوام کو یہ توقع تھی کہ ڈاکٹر صاحب جو اپنے آپ کو ایک مفکر اور قائد بننے کا اہل سمجھتے ہیں کوئی ایسی تجویز پیش کریں گے جس سے حیدرآباد کی سیاسی گتھی حل ہوسکے مگر عوام کو مایوس ہونا پڑا۔ ڈاکٹر صاحب کا سیاسی فکر ہمیشہ تلون کا شکار رہا۔ چھتاری کی حکومت کے دور میں آپ نے ایک طرف حکومت وقت کو نااہل ثابت کرنے کی کوشش کی اور دوسری طرف اتحاد المسلمین کی روش کی مذمت کی۔ سر مرزا کا دور شروع ہوتے ہی ڈاکٹر صاحب کی سیاسی فکر ایک نئی فضا میں پرواز کرنے لگی۔ واقف کار لوگ جانتے ہیں کہ ڈاکٹر صاحب نے ایک لیگی سیاست داں اور ایک مفکر کی حیثیت سے اپنے آپ کو پیش کرکے سر مرزا کے حلقہ میں شامل ہونے کی کوشش کی۔ مگر جنوبی ہند کے اس مفکر کے مقابلہ میں شمالی ہند کے ایک اونچ پرواز نے سر مرزا کے پاس زیادہ رسوخ حاصل کرلیا۔ جس وقت سر مرزا حیدرآباد کی سیاسی جماعتوں سے گفت و شنید کر رہے تھے اور دستوری اصلاحات کا نفاذ ہونے والا تھا ڈاکٹر صاحب نے انہی اصلاحات کی تائید کی جن کے مرتب کرنے والوں کی وہ مذمت کرچکے تھے۔ دوسری طرف ڈاکٹر صاحب مجلس اتحاد المسلمین سے قریب تر ہوگئے اور عام رکنیت کے فارم پر دستخط بھی کر دیئے۔ شاید مجلس کو اس وقت ایک مفکر اور مشیر کی ضرورت تھی۔ مگر ابھی مشورہ رنگ لانے بھی نہ پایا تھا کہ سر مرزا کا دور ختم ہوگیا۔ لائق علی منسٹری کے دور میں ڈاکٹر صاحب کی جو متزلزل روش رہی ہے اس پر یہاں بحث کرنا بے سود ہے۔ تقسیم ہند کے بعد ڈاکٹر صاحب نے حیدرآباد کے متعلق یہ تجویز پیش کی تھی کہ حیدرآباد کے ہندو باشندے ہندوستان کے متصل علاقوں میں منتقل ہو جائیں۔ غالباً حیدرآبادی ڈاکٹر صاحب کے خیال میں ایک آسان کام تھا [illegible] کی اس تجویز کو خود مجلس نے قبول نہیں کیا۔

ماہ ستمبر کے انقلاب کے بعد یہ توقع تھی کہ ڈاکٹر صاحب اب اپنے دماغ کو آرام دیں گے اور کسی بہتر کام میں مشغول ہو جائیں گے لیکن ڈاکٹر صاحب خاموش کیسے رہ سکتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے اس مسلم کنونشن میں جو قاضی عبدالغفار صاحب مراد آبادی سابق مدیر "پیام" کی کوششوں سے منعقد ہوئی شریک ہوئے۔ اس کنونشن کی روئداد اور ڈاکٹر صاحب کی اس کنونشن میں روش کے متعلق اخبارات میں کافی مواد شائع ہوچکا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے جو اپنی انفرادیت کو برقرار رکھنے کی ہمیشہ کوشش کرتے ہیں ایک دوسرا کنونشن اپنے مکان پر طلب کیا۔ اس کنونشن کے فیصلہ کا لب لباب یہ تھا کہ ملک کی سیاسی جماعتوں سے سودا کیا جائے۔ خود ڈاکٹر صاحب کے ایک حالیہ بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ صدر اسٹیٹ کانگریس سے مسلمانوں کے لیے نشستوں کا تعین کرانا چاہتے ہیں۔ مگر ڈاکٹر صاحب یہ بھول گئے کہ جو مسلمان فاقوں سے مر رہا ہے جس کا گھر بار لوٹ لیا گیا جو بے خانماں ہوچکا ہے اس کی دنیا نشستوں سے آباد نہیں ہوسکتی۔ نشستیں صرف چند لکھے پڑھے مسلمانوں کو مل سکتی ہیں مگر فاقہ کش مسلم عوام کا کیا حشر ہوگا؟ ممکن ہے کہ کسی مفکر کی سمجھ میں یہ بات نہ آئے لیکن ہر صاحب فکر اس حقیقت کو تسلیم

(باقی صفحہ ۷)

سیاسی نمک پارے

از

کشاف

باستثنیہ :-

آج سوامی جی فرماتے ہیں کہ حیدرآباد میں عوامی وزارت کے قیام یا موجودہ نظم ونسق میں تبدیلی کا تصفیہ صرف ریاستی وزارت ہی کرسکتی ہے۔ ہمیں یاد ہے کہ کل تک خود ریاستی وزارت اور سوامی جی فرمایا کرتے تھے کہ حیدرآباد کے مستقبل کا تصفیہ ریاست کے عوام کریں گے اور عوام کو یہ حق دلانے کے لئے ہند سرکار نے نجات دہندہ کے فرائض انجام دئے۔ سوامی جی ہی بتائیں کہ حیدرآباد کے عوام کی نجات کا کام کب ختم ہوگا۔ (پیام)

مولوی ابوالحسن سید علی ایک بیان میں کہتے ہیں کہ :-
جب سارے عالم میں کہیں اسلامی حکومت نہیں ہے تو مسلمان یہاں اسلامی حکومت کا نعرہ کیوں لگا رہے تھے۔

یہ نعرہ ان مسلمانوں نے لگایا تھا جنھوں نے مولوی ابوالحسن سید علی کو عمادالقوم کا خطاب دیا تھا۔ مگر مولوی صاحب کو اس خطاب کے قبول کرتے وقت اس نعرہ کے بے محل ہونے کا خیال نہیں آیا۔

ڈاکٹر لطیف اپنے ایک بیان میں دریافت کرتے ہیں کہ :-
اگر مسلمانوں کو شرکت کانگریس کی دعوت دینے میں صدر کانگریس مخلص ہیں تو وہ پہلے ہی سے مسلمانوں کے لئے نشستوں کی تعداد کا تعین کیوں نہیں کرتے؟

مسلمان روٹی کے لئے پریشان ہیں اور ڈاکٹر صاحب کو نشستوں کی فکر ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے جو نسخہ تجویز کیا ہے اس کے متعلق مسلم عوام کہتے ہوں گے
علاج درد دل تم سے مسیحا ہو نہیں سکتا

ہوش یار جنگ اپنے ایک مضمون میں جس کا عنوان ہے ایک مخلص کا مشورہ تحریر کرتے ہیں کہ :-
پچھلی سیاست کی غلط کاریوں سے جن

لیں اور جینے کے لئے ایسی صلح کل روش اختیار کریں کہ غیر بھی اپنے ہوجائیں اور یہ اس کا مخلصانہ مشورہ ہے جو نہ لیڈری کی تمنا رکھتا ہے اور نہ کسی عہدے کی۔

جی ہاں یہ اس شخص کا مشورہ ہے جو سابقہ دور میں شاہ پرستی کا سب سے بڑا حامی تھا اور اب جمہوریت کا راگ الاپ رہا ہے۔ خلوص اس وقت بھی تھا اور اب بھی ہے۔

میں جانتا ہوں کہ اب مسلمان صراط مستقیم پر چلنا چاہتے ہیں۔ (ہوش یار جنگ)

وظیفہ لینے کے بعد صراط مستقیم کا خیال کوئی انوکھی بات نہیں۔

مسلمانوں سے ہوش یار جنگ دریافت کرتے ہیں کہ :-
اگر مسلمان کانگریس میں شریک نہ ہوں تو گھر میں بیٹھ کر بیویوں سے کب تک دل بہلایا کریں گے؟

جن کی بیویاں مرچکی ہیں ان کے متعلق کیا ارشاد ہوتا ہے؟

مسٹر پرشوتم ترکم داس ستھو صدر سوشلسٹ پارٹی کی رائے ہے کہ :-
سوشلسٹ پارٹی لسانی بنیادوں پر حیدرآباد کی تقسیم کی تائید کرتی ہے۔ اگر یہ اصول تسلیم کرلیا جائے تو مجلس دستور ساز کی کوئی ضرورت نہیں۔

مگر سوامی جی کہتے ہیں کہ مجلس دستور ساز بھی قائم ہو، عوامی حکومت بھی تشکیل پائے اور حیدرآباد کی تقسیم بھی ہو جائے۔
بچے کی طبیعت ہے لیڈر کی طبیعت بھی

ڈاکٹر میلکوٹے کا مطالبہ ہے کہ :-
علاقہ واری زبانوں کو رائج کرنے کے سلسلہ میں مناسب اور بروقت انتظامات کا ہونا ایک فوری ضرورت ہے۔ عوام اس بارے میں بہت بے چین ہیں۔

عوام صرف گرانی کی وجہ سے بے چین ہیں۔ زبان کے مسئلہ سے صرف لیڈروں کو دلچسپی ہے۔

سوامی رامانند تیرتھ ایک تقریر میں فرماتے ہیں کہ :-
کانگریس فرقہ واریت کو برداشت نہیں کرسکتی۔ ملک سب کا ہے۔ ملک میں سب کی حکومت ہوگی نہ کسی ایک فرقہ یا کسی ایک مذہب کی حکمرانی نہیں ہوگی۔

مگر آرگنائزر کا اصرار ہے کہ زندگی کے ہر شعبہ میں اکثریتی فرقہ کو تسلط حاصل رہے۔

معاصر "پیام" لکھتا ہے کہ :-
عام مسلمانوں کے مسائل دوسرے عوام سے کسی طرح الگ نہیں۔ کوئی ایسے خاص نسخے دریافت نہیں کئے جاسکتے جو صرف مسلمانوں کے مرض کا علاج کرسکیں۔ .... پولیس ایکشن کے بعد مسلمانوں کے معاشی مسائل بہت زیادہ توجہ طلب ہوگئے ہیں۔

اس سے قبل معاصر موصوف لکھ چکا ہے کہ ہندو مسلمان کی اصطلاح میں سوچنا خطرناک ہے۔

حیدرآباد میں اب بھی کمیونسٹ خطرہ باقی ہے۔ (اخباری سرخی)

جب سے معاصر "پیام" سوشلزم کی اصطلاح استعمال کررہا ہے یہ خطرہ باقی نہیں رہا۔

کشمیر کا مسئلہ
اور اینگلو امریکن ریشہ دوانیاں

اس وقت جب کہ حکومت ہند کشمیر میں عارضی صلح کے معاہدے اور آخر میں استصواب رائے کی شرائط پر بات چیت کرنے میں مصروف ہے شمالی کشمیر اور خصوصاً گلگت کے پاکستانی مقبوضہ علاقے میں دور رس عسکری اور سیاسی نوعیت کے نازک واقعات رونما ہو رہے ہیں۔ اطلاعات کے مطابق اس علاقے میں پاکستانی فوجوں اور ساز و سامان کی وسیع پیمانہ پر نقل و حرکت عمل میں آ رہی ہے جس سے قبل یہ غیر اہم خبر آئی تھی کہ چین کے صوبہ سنکیانگ سے مہاجرین اس علاقے میں گھس آئے ہیں یا مزید داخلے کو روکنے کے لئے حفاظتی اقدامات کو سخت تر کیا جا رہا ہے۔

اس پس منظر میں فوجوں اور فوجی ساز و سامان کی نقل و حرکت کچھ زیادہ اہم معلوم نہیں ہوگی اور ہندوستانی پریس عام طور پر اس کہانی کو اس کے چہرے کی قیمت پر لینے کی غلطی کا مرتکب ہوا ہے۔ لیکن جب اس کو صحیح معلوم میں یعنی گلگت کو سوویٹ یونین کے خلاف ایک فوجی اڈہ بنانے کی اینگلو امریکن ریشہ دوانیوں کے پس منظر میں دیکھا جائیگا تو ہر شخص آسانی سے اس کہانی کے حقیقی مقصد کو سمجھ جائیگا اور کشمیر کے اس علاقے میں فوجی نقل و حرکت کی تہہ میں جو خطرناک منصوبے کارفرما ہیں ان سے آگاہ ہو جائیگا۔ یہی نہ ہے کہ اس علاقے میں پاکستان کو ہندوستان یا اور کسی جانب سے حملے کا ذرا سا بھی خطرہ نہیں ہے۔

بہرحال اس فوجی نقل و حرکت کا مقصد سنکیانگ سے مہاجرین کے داخلے کو روکنا نہیں بلکہ اس عسکری علاقے کی قلعہ بندی ہے تاکہ وہ اینگلو امریکن جنگ بازوں کے لئے محفوظ اڈہ بن جائے یہ ایک بڑے منصوبے کا حصہ ہے جو بہ حقیقت بننے والا ہے اینگلو امریکن ماہرین جنگ پچھلی جنگ کے بعد سے اس علاقے کو اپنا ایک اہم اڈہ بنانے کی فکر میں تھے۔ اس وقت سنکیانگ سے پناہ گزینوں کی آمد کا سرے سے کوئی امکان نہیں ہے کیونکہ اس وقت وہ درے جن میں سے بیرونی لوگ شمال کی طرف سے گلگت میں داخل ہو سکتے ہیں برف سے مسدود ہیں۔

گلگت اپنی عسکری اہمیت کی وجہ سے ہمیشہ سامراجیوں کی توجہ کا مرکز رہا ہے۔ ہندوستان میں برطانوی دور حکومت میں انگریز پارٹیاں وہاں "گیم کھیلنے" اور سیاحت پر بڑھنے کی بہتر سیکھنے کی غرض سے جایا کرتی تھیں اور پچھلی جنگ کے دوران میں انگریز اور امریکی ہوائی گلگت بیٹھا کیا کرتے تھے جب سے وہ انتقال اختیارات کے نتیجے میں برطانوی ہاتھوں سے نکلا ہے برطانیہ دوسرے ذرائع سے اس پر کنٹرول حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہے اور بعض حلقوں میں جو یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ کشمیر کی گڑبڑ برطانیہ کی پیدا کردہ ہے وہ اس پس منظر میں سراسر بے بنیاد معلوم نہیں ہوتا۔ آج تو یہ بات اور بھی زیادہ معقول معلوم ہوتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ اینگلو امریکن جتھہ بندی کشمیر کو تقسیم کر کے اس کے مسئلہ کو دوستانہ طور پر حل کرنے کی اس قدر زبردست خواہش کا اظہار کر رہی ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ وہ سارے کشمیر کو پاکستان میں شامل کرانا چاہتے تھے جب کہ پاکستان نے اپنا حملہ شروع کیا لیکن اب جبکہ نتائج ان کی توقعات کے مطابق نہیں ہو رہے ہیں ریاست کا ایک حصہ ہندوستان کو اور باقی حصہ جس میں یہ اہم شمالی خطے شامل ہوں گے پاکستان کو دیے جانے پر آسانی سے رضامند ہو جائیں گے۔

یہ حقیقت ہے کہ اینگلو امریکنوں نے کشمیر کے بارے میں جس دلچسپی کا اظہار کیا ہے اس کا مقصد گلگت کو حاصل کرنے کے سوا کچھ نہیں۔ فوجی مشاہدین کی سرگرمیوں کی اطلاعات سے بھی یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے۔ یہ مشاہدین برطانیہ، امریکہ اور ان کی طفیلی ریاستوں سے لئے گئے ہیں اور ان میں سے کسی کو بھی غیر جانبدار نہیں کہا جا سکتا۔ یہ امر یقینی ہے کہ ان فوجی مشاہدین میں سے ہر ایک اب سے پہلے بھی کشمیر میں آ چکا ہے اور اس کی جغرافیائی اور سیاسی پوزیشن سے پوری طرح واقف ہے جن لوگوں کو ان مشاہدین سے گفتگو کرنے کا موقع ملا ہے ان کا بیان ہے کہ گفتگو کے دوران میں بعض مشاہدین گلگت کے بارے میں غیر معمولی دلچسپی کا اظہار کرتے ہیں اس کے متعلق طرح طرح کے سوالات دریافت کرتے ہیں۔ اگر اس سے بھی زیادہ ٹھوس ثبوت کی ضرورت ہے تو سری نگر میں ان کے ہیڈ کوارٹر میں جا کر دیکھا جا سکتا ہے کہ کشمیر کے ایک عظیم نقشے پر گلگت اور اس کے ارد گرد کے اہم مقامات کو کس طرح خصوصیت کے ساتھ نشان زد کیا گیا ہے۔

جب ایک متجسس نامہ نگار نے اس کے بارے میں سوال کیا تو مشاہدین کچھ پریشان سے ہوئے اور تسلی بخش جواب نہ دے سکے اگرچہ یہ امر بادی النظر میں کچھ زیادہ اہم معلوم نہیں ہوتا لیکن کشمیر میں آج چھوٹی چھوٹی باتیں بہت اہمیت رکھتی ہیں۔ سری نگر میں کہا جا رہا ہے کہ جب انہیں یوں پیچھے رکھا گیا کہ ان کے سری نگر روانہ ہونے میں کچھ وقت لگے گا، تو مشاہدین نے اپنی کوفت اور پریشانی کا بے صبری کے ساتھ اظہار کیا اور سری نگر کے لئے انتہائی جلد بازی سے کام لیتے ہوئے اپنے ہیڈ کوارٹر کو سری نگر لے گئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اب وہ درہ ... کے کھلنے کا انتظار کر رہے ہیں تاکہ وہ گرمیوں کے علاقے میں اپنی "مہم" پر جا سکیں۔

معتبر اطلاعات کے مطابق اس وقت گلگت میں آٹھویں پنجاب رجمنٹ اور بلوچ رجمنٹ کے آٹھ ہزار سے زائد فوجی اور فرنٹیئر باقاعدگی کے ساتھ گولہ بارود اور دیگر ساز و سامان لانے میں مصروف ہیں۔ سب سے زیادہ سنسنی خیز انکشاف یہ ہے کہ حال ہی میں پاکستانی حکام نے چند مقامی سرداروں کا جلسہ منعقد کیا اور انہیں گلگت کو سرحدی صوبے میں ضم کرنے پر آمادہ کرنے کی کوشش کی میر ہنزہ اور نگر کے میروں اور راجہ پونیال کا حالیہ دورہ کراچی بھی اسی سلسلے میں تھا۔ اطلاعات مظہر ہیں کہ پاکستان کی اس تحریک پر لوگ حق میں نہ ہو سکے کیونکہ وہ حکام کی بداعمالیوں سے پوری طرح تنگ آ چکے ہیں۔ چنانچہ اس تجویز کو فی الحال ترک کر دیا گیا اور اب مقامی ایڈمنسٹریشن "تخریبی عناصر" کو ختم کرنے میں مصروف ہے۔ ایک عینی شاہد کے بیان کے مطابق اس علاقے میں دہشت انگیزی کا دور دورہ ہے اور لوگ پاکستانی فوج کے بوٹوں کے نیچے کچلے جا رہے ہیں۔

ان اطلاعات کی روشنی میں پاکستان کے ایک سربرآوردہ انگریزی روزنامہ کا حالیہ مقالہ افتتاحیہ جس میں لوگوں کی حالت سدھارنے کے لئے اصلاحات نافذ کرنے کی تجویز تھی کافی معنی خیز ہے۔ خصوصاً جب اس حقیقت کو مدنظر رکھا جائے کہ پاکستانی پریس میں نام نہاد آزاد کشمیر کے حالات کے بارے میں کوئی ایسی اطلاع شائع نہیں ہو سکتی جو سرکاری بیان سے مطابقت نہ رکھتی ہو۔ اس یقین کی مضبوط وجوہات موجود ہیں کہ اگر اس صورت حال کو بلا روک ٹوک جاری رہنے دیا گیا تو ہمیں کسی دن یہ دیکھ کر سخت صدمہ پہنچے گا کہ اینگلو امریکن فوجیں ہمارے سر پر موجود ہیں اور ہمارے درمیان ڈپلومیٹک سازشوں اور فوجی ریشہ دوانیوں کا ایک نیا گروہ قائم ہو گیا ہے۔ وقت آ گیا ہے کہ ہم اس تباہی کو روکنے کے لئے مناسب تدابیر اختیار کریں۔

(روزنامہ "انصاری" نئی دہلی)

ہند اپنی پیداوار کس طرح بڑھا سکتا ہے

از

جون کنگزلے

ہندوستان کے لئے بہت ضروری ہے کہ وہ اپنے کارخانوں، ملوں اور اپنی زمین کی پیداوار میں اضافہ کرے۔ اس لحاظ سے اس کی حالت برطانیہ اور دیگر ممالک سے مختلف نہیں کیونکہ پیداوار کا یہ مسئلہ تو عالمی مسئلہ بن چکا ہے۔ فرق تو اہمیت اور وسعت کا ہے۔ بعض ممالک کو صرف ہر مزدور یا کھیت کی سالانہ پیداوار بڑھانے کا مسئلہ درپیش ہے لیکن دوسروں کو اس کے علاوہ ہڑتالوں، بے روزگاری اور صنعتی جھگڑوں جیسے مسائل کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔

برطانیہ کی طرح ہندوستان کو اپنی پیداوار میں اضافہ کرنے کی ضرورت اس لئے محسوس ہوگی کہ اس کو ایک تو اپنی ضروریات کو پورا کرنا ہے اور دوسرے درآمد کی قیمت ادا کرنے کے لئے برآمد کو بڑھانا ہے۔ برطانیہ ہندوستان سے خام روئی، پٹ سن اور دیگر اشیا کی توقع رکھتا ہے لیکن اسے تمام مشکلات کا علم ہے جو ہندوستان نے ان پر قابو پانے کے لئے جو کوششیں کی ہیں ان کی تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

جنگ کے بعد برطانیہ کی اپنی مشکلات اتنی زیادہ رہی ہیں کہ وہ دوسروں کی مشکلات کا خاطر خواہ اندازہ نہیں لگا سکا لیکن پھر بھی ماہرین کو اس بات سے مایوسی ہوتی ہے کہ جبکہ برطانیہ کی صنعتی پیداوار کا معیار بہت اونچا ہے، ہندوستان کی کپڑے، فولاد، کھانڈ اور دیگر اشیا کی پیداوار زمانہ جنگ کی زیادہ سے زیادہ پیداوار سے بھی کم ہے۔

یہ سچ ہے کہ ہندوستان کے ذرائع حمل و نقل کی نظم و ترتیب میں خلل پڑ گیا ہے اور اس کے مزدور جنگی کوشش کے باعث تھک کر چور ہو گئے ہیں۔ برطانوی لوگوں کے ساتھ بھی یہی حال ہوا تھا لیکن وہ تو سنبھل گئے ہیں اور بحالی کی طرف گامزن ہیں۔

بعد از جنگ کی پیداوار کی مہم میں برطانیہ کو دو [illegible] ہوئی ہیں۔ وہاں کے تقریباً تمام مزدوروں کو روزگار مل رہا ہے اور صنعتی جھگڑوں نے اس کی پیداوار کو خاص نقصان نہیں پہنچایا۔

چند دوسرے ممالک اتنے خوش نصیب نہیں رہے جتنا کہ برطانیہ۔ یہاں مزدور سبھاؤں نے صنعتی جھگڑوں کی خود مخالفت کی۔ جنگ سے پیدا شدہ تنظیم بحالی کے پروگرام پر برطانیہ نے طریقہ سے اور سوچ بوجھ کے ساتھ عمل کیا نتیجہ یہ کہ اس کے کاموں میں گڑبڑ نہیں ہونے پائی۔ خوراک اور دیگر اشیا پر کنٹرول جاری رکھنے کی وجہ سے بھی بحالی کا پروگرام باقاعدہ چلتا رہا ہے۔

چنانچہ برطانیہ کی پیداوار آہستہ آہستہ بڑھتی رہی۔ جس کے باعث اس کی برآمد میں نمایاں اضافہ ہوا اور اس اضافہ کا ایک بھاری حصہ ہندوستان کو ملا۔ ساتھ ہی برطانیہ کو اپنی ضروریات کے لئے بھی زیادہ سامان ملنے لگا۔

ان تمام موافق حالات کے باوجود برطانیہ کی پیداوار کافی زیادہ نہیں۔

اب تو پیداوار بڑھانے کا اس کے پاس ایک ہی طریقہ رہ گیا ہے ـــــ کہ ہر مزدور کی پیدا آوری بڑھائی جائے۔ اس میں کارخانہ داروں، مزدوروں، سائنسدانوں اور حکومت سب کے تعاون کی ضرورت ہے۔ عملی کام کو مزدوروں اور کارخانہ داروں کی انجمنیں سرانجام دے رہی ہیں اور حکومت نے پبلسٹی کی زبردست مہم جاری کر رکھی ہے اور وہ صنعتی ریسرچ کی حوصلہ افزائی کر رہی ہے۔

زرعی پیداوار میں اضافہ اور گہرے پانی میں مچھلیاں پکڑنے کی مہم بھی زوروں پر ہے۔ کھاد کے مفید استعمال سے اور مشینری کی مدد سے برطانیہ ۱۹۵۲ء تک اپنی زرعی پیداوار قبل از جنگ سے [illegible] آگے کرے گا۔

لیکن برطانیہ دیگر ممالک کی مدد بھی کر رہا ہے مثلاً پاسچر کے طریقہ سے دودھ گرم کرنے اور حکومت بجلی کی پانی سپلائی کے سلسلہ میں وہ ہندوستان کی مدد کر رہا ہے نیز مچھلیوں کو اندرون ملک میں لے جانے کے لئے جہاں جہاں ضرورت ہو بھی مہیا کر سکتا ہے۔ اس کے علاوہ ہندوستان جنگلاتی مزدوری کی ذرائع ریسرچ سے بھی مستفید ہو رہا ہے۔

مگر راستہ دشوار ہے اور منزل دور۔ برطانیہ کو منزل کی جھلک دکھائی دینی شروع ہو گئی ہے اس کے چند ایک کارخانے دنیا بھر میں جدید ترین ثابت ہوئے ہیں۔ ایسے مزدوروں کی تعداد بڑھ رہی ہے جو پیداوار کے نئے طریقے استعمال کر کے زیادہ روزی کما رہے ہیں۔ امید بڑھتی جا رہی ہے کہ سستی قیمتوں پر زیادہ سے زیادہ اشیا پیدا کی جائیں گی۔

لیکن برطانیہ کو محض اپنی ہی کوششوں سے ہی دلچسپی نہیں وہ ہندوستان اور دیگر ممالک کی ترقی کو بھی غور سے دیکھ رہا ہے اپنے تجربہ سے وہ دوسروں کی مدد کرنے کے لئے بھی تیار ہے۔ اپنی جدوجہد کا ہند سے مقابلہ کرتے وقت اُسے ہندوستانی کارخانہ داروں، مزدوروں اور حکومت کی مشکلات کا اندازہ ہے۔ اس کی دلی خواہش یہ ہے کہ ہندوستان کی پیداوار بڑھے۔

کاشتکاروں سے اپیل

زیادہ غلہ اگاؤ

آپ کو صرف اتنا ہی غلہ پیدا کرنا نہ چاہئے کہ آپ کی غذائی ضرورتیں پوری ہو سکیں بلکہ اس سے کچھ زیادہ ہی اگانا چاہئے تاکہ آپ کپڑا، گیس کا تیل، نمک اور ضرورت کی دوسری چیزیں خرید سکیں۔ اس لئے اپنی زمینات سے زیادہ غلہ حاصل کیجئے۔ اپنے جانوروں کی بہتر طور پر حفاظت کیجئے۔ بہتر بیج، اپنی زمینات کو آبپاشی کی سہولتیں اور کاشتکاری کے جدید ترقی یافتہ طریقوں سے کام لیجئے۔ یاد رکھئے کہ ملک میں کافی غذا موجود نہیں ہے۔ اس لئے آپ کو چاہئے کہ جو کچھ آپ کے پاس ہے اس میں آپ دوسروں کو بھی شریک کریں جو کاشت نہیں کرتے ہیں۔ ممکن ہے کہ آپ اتنا غلہ حاصل نہ کر سکیں جتنے کہ آپ خواہشمند ہوں۔ کئی علاقے ایسے ہیں جہاں لوگوں کو صرف آدھا پیٹ کھانا میسر آتا ہے اس لئے آپ اپنی ضرورتوں کو مختصر کیجئے اور کم سے کم غلہ اپنے پاس رکھ چھوڑئے اور باقی غلہ کنٹرول کی قیمتوں پر حکومت کے ہاتھ فروخت کر دیجئے۔ آپ کو ہر صورت میں اپنی پیداوار کا کچھ حصہ فروخت کرنا ہی پڑتا ہے۔ آپ ہمیشہ سے ایسا کرتے آئے ہیں۔ یہ آپ کے لئے کوئی نئی بات نہیں ہے۔ اس میں کوئی فرق نہیں ہے آپ ہر اس شخص کو جسے آپ چاہیں یا جس قیمت پر آپ کو مل سکے غلہ فروخت نہیں کر سکتے۔ تاجر یا بیوپاری صرف اپنے منافع سے غرض رکھتا ہے لیکن حکومت کو آپ کی فلاح و بہبود عزیز ہے۔ جب بیوپاری منافع کی حرص میں غلہ باہر بھیج دیتا ہے اور ملک میں قحط پڑ جاتا ہے تو ایسے آڑے وقت میں صرف حکومت ہی آپ کی امداد کو پہنچ سکتی ہے۔ اس لئے اناج صرف حکومت کے ہاتھ فروخت کیجئے تاکہ حکومت کنٹرول کی قیمتوں پر غذائی اجناس بہم پہنچانے کے لئے اس کے پاس غلہ کافی ذخیرہ رہ سکے۔ آپ اپنے اناج کی اچھی قیمت حاصل کرتے ہیں۔ یہ بازاری قیمتوں کے برابر تو نہیں ہو سکتی لیکن سابقہ قیمتوں کے مقابلے میں بہت بڑھی ہوئی ہے۔ حکومت ہمیشہ آپ کی بہتری کی کوشش کر رہی ہے کہ آپ کو ضرورت کی چیزیں مثلاً کپڑا، زرعی آلات وغیرہ مناسب مقدار اور واجبی قیمتوں پر حاصل کر سکیں۔ امداد باہمی کی مشترکہ منافع والی انجمنوں میں شریک ہو کر اپنے آپ کو منظم کیجئے اور امداد باہمی [illegible] اپنے موضع کے غلہ بینک میں کچھ غلہ جمع رکھئے تاکہ یہ کسی آڑے وقت میں آپ کے کام آئے۔

([illegible] مجلس اغذیہ)

امریکہ کا طرز عمل نہ بدلے تو پورا عرب کمیونسٹ ہو جائیگا

شرق اردن کے شاہ عبداللہ نے قاہرہ کے ایک اخبار "المصری" کے نامندہ سے ایک ملاقات میں کہا کہ اگر امریکہ مشرق وسطی کے متعلق اپنی حکمت عملی کو تبدیل نہ کرے تو دنیائے عرب کمیونزم کی طرف کھنچ کر جائیگی۔

شاہ عبداللہ نے کہا کہ اب جبکہ مملکت اسرائیل کو مشرق وسطی پر مسلط کر دیا گیا ہے یہ رقبہ بھی اب ایک دوسرا بلقان بن گیا ہے۔ ہر روز ایک ہزار کی تعداد سے زیادہ یہودی مملکت اسرائیل میں داخل ہو رہے ہیں اور اگر داخلہ کی اس رفتار کو برقرار رکھا گیا تو بہت جلد یہودی نہ صرف عربوں بلکہ پوری دنیا کے لئے ایک خطرہ بن جائیں گے۔ اس کے بعد تنازعات اور جھگڑوں کا ایک لامتناہی سلسلہ ہوگا۔ یہ سلسلہ اس وقت ختم ہوگا جبکہ پوری دنیا ایک تیسری مرتبہ جنگ کے شعلوں میں لپٹ جائے گی۔

انھوں نے کہا کہ عرب ممالک کو ایک جھنڈے تلے اتحاد اور فتح و نصرت کی طرف قدم بڑھانا چاہئے اس ضمن میں مصر کی قیادت مفید ثابت ہو سکتی ہے بشرطیکہ صحیح طریقے اختیار کئے جائیں۔

اس دوران میں یہ بات میری سمجھ سے بعید ہے کہ مصر کو کون چیز وادی نیل کے اتحاد کے لئے اور ساتھ ہی اتحاد شام کے خلاف لڑنے پر اکسا رہی ہے ـــ یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ شامی ریاستوں کے مابین ان رشتوں سے کچھ زیادہ رشتے موجود ہیں جو مصر اور سوڈان کے مابین موجود ہیں۔

میں اسلحہ کی توقعات سے اتحاد شام کے قیام کا قائل نہیں ہوں تاہم عوام کے مابین مفاہمت کے ذریعہ ایسے اتحاد پر مجھے عقیدہ ہے۔

مصر اور برطانیہ کا معاہدہ

برطانوی وزیر خارجہ مسٹر ارنسٹ بیون جنجہ (یوگانڈا) کے قریب دریائے نیل پر ایک کروڑ پندرہ لاکھ پونڈ کے صرفہ سے ایک جدید عظیم الشان بند کی تعمیر کے متعلق لندن اور قاہرہ کے مابین ایک معاہدہ کا خاکہ پیش کیا۔ اس بند کے ذریعہ ایک برقابی اسٹیشن بھی قائم کیا جائے گا جس سے یوگانڈا کی تیزی سے ترقی کرتی ہوئی صنعتوں کو بھی برقی قوت فراہم کی جائے گی۔

معاہدہ کی رو سے مصر کو پہلے سے زیادہ پانی فراہم ہوگا جس سے وہ پانچ لاکھ ایکڑ صحرائی رقبہ کو قابل کاشت بنا سکے گا۔ دونوں حکومتوں نے اتفاق کر لیا ہے کہ بند اور برقابی اسٹیشن کا پورا انتظام یوگانڈا الکٹری سٹی بورڈ کے حوالہ کیا جائے۔

ڈاکٹر لطیف کو مشورہ

(بقیہ سلسلہ صفحہ ۳)

کرے گا کہ مسلم نامزدین اور مسلم عوام کا مفاد ایک نہیں ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی طلب کردہ مسلم لائحہ عمل جب اسٹیٹ کانگریس یا سوشلسٹ پارٹی سے کوئی سودا نہ کر سکی تو اب مسلمانوں کو یہ مشورہ دیا جا رہا ہے کہ وہ سیاسیات سے الگ رہیں۔

ڈاکٹر صاحب ہر وقت ہر سنجیدہ صحافت کی تنقید کا نشانہ بنتے رہے ہیں اور ان کے معترضین میں زیادہ تر ان کے دوست اور بہی خواہ ہیں لیکن ڈاکٹر صاحب اس قدر خوش فہم ہیں کہ وہ اپنی رائے کو کبھی غلط نہیں سمجھتے۔ ہمارا مشورہ شاید ڈاکٹر صاحب کو تلخ معلوم ہو۔ ہم نہایت خلوص سے ان کو یہ مشورہ دیتے ہیں کہ اب وہ سیاسیات کے میدان سے ہٹ جائیں۔ اس وقت مسلمانوں کو فکر سے بڑھ کر تدبر کی ضرورت ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے لئے اب بھی موقع ہے کہ وہ اپنی ادبی سرگرمیوں سے مسلم نوجوانوں کو فائدہ پہنچائیں۔

ادارۂ اقوام متحدہ میں

(بقیہ سلسلہ صفحہ اول)

جنوبی آفریقہ کی صورت حال بہت نازک اور تشویشناک ہو گئی ہے۔

بنیادی تعلیم کانفرنس

پیرینا ٹکن پالایام (مدراس) میں ڈاکٹر ذاکر حسین نے کل ہند بنیادی تعلیم کانفرنس کے پانچویں اجلاس میں خطبہ صدارت پڑھتے ہوئے مہاتما گاندھی کے تعمیری پروگرام کا ذکر کیا جس کا بنیادی تعلیم ایک اہم جز ہے انھوں نے کہا کہ جب تک تعمیری کام خلوص اور شوق کے اس جذبہ کے ساتھ نہیں کیا جاتا جو گاندھی جی میں موجود تھا اس وقت تک اس سے خاطر خواہ نتیجہ نہیں نکل سکتا۔

انھوں نے بتایا کہ ہمارے پرانے تعلیمی نظام میں عام طور سے حقیقی باتوں کے بجائے کتابوں اور ظاہرا چیزوں پر بھروسہ کیا جاتا تھا۔ لیکن گاندھی جی نے تعلیم اور زندگی کے بیچ کی رکاوٹیں دور کر دیں ان کی کوشش یہ تھی کہ تعلیم کی بنیاد کام پر رکھیں اور ان کا نظریہ یہ تھا کہ کام کے ذریعہ ہم بچہ کی زندگی میں حقیقی قدریں جیسے کرتی پرستی نفاست پسندی پیار اور انصاف پیدا کر سکتے ہیں جن کو غیر مشروط طور پر قبول کر لینا چاہئے۔ یہ کام بہت مشکل ہے اور تعلیم کے نصاب میں کتائی یا دوسری دستکاریوں کو شامل کر دینے سے بہت زیادہ ہے۔

انھوں نے لازمی بنیادی تعلیم کو پانچ سال تک محدود کر دینے کی تجویز کی مخالفت کی۔ ہندوستانی تعلیمی سنگھ اور مرکزی مشاورتی بورڈ نے یہ مدت سات سے آٹھ سال تک تجویز کی تھی اور ڈاکٹر ذاکر حسین نے کہا کہ اگر تعلیم کی مدت اس سے کم کر دی گئی تو بنیادی تعلیم بیکار اور بے اثر ہو جائے گی۔ اس سلسلہ میں حکومتوں سے مالی مشکلات کا ذکر کیا جاتا ہے اس کے متعلق ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ پانچ سال کے بعد اسکولوں کے بچے اتنا کام کر دیں گے کہ اسکول اپنا خرچ آپ پورا کر سکیں گے۔

ڈاکٹر ذاکر حسین نے کہا کہ یونیورسٹیاں قومی زندگی میں اپنا حصہ نہیں لے سکیں جو انھیں لینا چاہئے۔ وہ اونچے نظریوں اور پیشوں کی ایسی دنیا میں رہتی ہیں جو ہماری قومی زندگی سے مختلف اور بالکل الگ تھلگ ہوتی ہے۔ قوم کے لیڈر زیادہ تر انھی یونیورسٹیوں سے آئیں گے اس لئے ان اداروں کے کام اور فکر کے طریقہ میں تبدیلی ہونا چاہئے اور ان کو خدمت گزار بنانا چاہئے۔ لیکن یونیورسٹیوں میں کوئی اصلاح اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک کہ تعلیمی نظام کی بنیاد کو نئے سرے سے تعمیر نہ کیا جائے اور ایسے جاندار بنیادی اسکول نہ کھل جائیں جہاں زندگی کی قدروں کی تعلیم حاصل کی جا سکے۔ ڈاکٹر ذاکر حسین نے اچھی تعلیم کو ایک اچھے سماج کی بنیاد قرار دیا اور بنیادی تعلیم سے دلچسپی رکھنے والوں سے اپیل کی کہ وہ سماجی کارکنوں کو اس کام کی طرف راغب کریں اور انھیں

آزاد وطن اور خود اپنی ذات کے لئے مفید خدمات انجام دینے کے لئے تیار کریں۔ کانفرنس میں ملک کے مختلف تعمیری کام کرنے والوں اور مختلف صوبوں کے نمائندوں نے شرکت کی کچھ لوگ مشرقی پاکستان سے اور ایک صاحب لنکا سے بھی آئے ہوئے تھے (آچاریہ ونوبھاوے نے کانفرنس کا افتتاح کیا۔ انھوں نے کہا کہ ہندوستان ایک غریب ملک ہے یہاں تعلیم اس وقت تک عام نہیں ہو سکتی جب تک کہ وہ اپنا خرچ آپ نہ پورا کر سکے۔ بنیادی تعلیم میں ایسا ہو سکتا ہے اور اس تعلیم کے بغیر سرودے سماج نہیں بن سکتا۔

انھوں نے کہا کہ اکثر یہ کہا جاتا ہے کہ تعلیم کو جہاں تک ہو سکے زندگی اور دستکاری سے جوڑ دیا جائے "یہ جہاں تک ہو سکے" والی ذہنیت غلط ہے۔ کام کرنے والوں میں یہ سمجھنے کی ہمت ہونا چاہیے کہ جو علم زندگی یا دستکاری کے ساتھ جڑا ہوا نہیں ہوگا اس کی بچوں کو کوئی ضرورت نہیں ہے دولت کی ہوس کی طرح علم کی ہوس بھی نقصان دہ ہو سکتی ہے۔ بچوں کو دنیا بھر کی باتیں جان لینا ضروری نہیں ہے ان میں صرف اس بات کی اہلیت پیدا ہو جانی چاہیے کہ وہ جتنا علم چاہیں حاصل کر سکیں۔

آچاریہ ونوبھاوے نے سائنسی نقطۂ نگاہ پیدا کرنے کے لئے سائنس کی تعلیم حاصل کرنے پر زور دیا اور کہا کہ یہ خیال غلط ہے کہ گھریلو صنعتوں کے لئے سائنس کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن ہمارے جیسے قدیم ملک کے پاس اپنا سماجی نظام موجود ہے اور سماجی سائنس میں اسے مغرب سے کوئی بات نہیں سیکھنا ہے۔

مجلس دستور ساز بنجائے گی

ایک صحافتی کانفرنس میں جو ٹاؤن ہال باغ عامہ میں منعقد ہوئی تھی ناظم انتخابات مسٹر سی شور سود کرنے اعلان کیا کہ ریاست کی مجموعی آبادی (۱۶۳۳۰۵۳۳) کے منجملہ (۱۰۰۳۰۸۸۱) بالغوں کے نام حیدرآباد کی مجوزہ مجلس دستور ساز کے لئے ووٹر رجسٹر کئے گئے ہیں۔ انھوں نے صحافت کو مطلع کیا کہ موجودہ توقعات کے بموجب حقیقی حد بندی اور رائے شماری کا کام اس سال کے ختم تک ہو جائے گا اور ۱۹۵۰ء کے دوران میں مجلس دستور ساز تشکیل پا جائے گی۔ انھوں نے کہا کہ مجلس کے ارکان تقریباً دو سو ہوں گے اور ہر نمائندہ (۸۰۰۰۰) ہزار آبادی کے علاقہ سے منتخب ہوگا۔ مسٹر شور سود کرنے اعلان کیا کہ اس غرض کے لئے (۱۳۳) لاکھ روپے کا معاوضہ فراہم کیا گیا ہے۔ حالیہ اعداد و شمار کے لحاظ سے ریاست کی (۱۶۳۳۰۵۳۳) آبادی کے منجملہ تلنگی بولنے والوں کی تعداد (۷۵۲۴۲۲۹) مرہٹی بولنے والوں کی تعداد (۳۹۹۴۷۰۹) کنڑی بولنے والے (۱۶۳۴۱۰۰) اور اردو بولنے والوں کی تعداد (۲۱۸۰۰۴۵) ہے۔ اردو بولنے والوں کے قطع نظر جو پوری ریاست میں پھیلے ہوئے ہیں دیگر تین زبانیں بولنے والوں کو بآسانی تین منطقوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ حکومت کے تصفیہ کے بموجب حیدرآباد اور سکندرآباد کے شہروں میں انتخابی فہرستیں انگریزی اور اردو دونوں میں ترتیب دی گئی ہیں۔

[illegible] پریس [illegible] میں طبع ہو کر دفتر "ملت" [illegible] سے شائع ہوا۔